# تحمل، رواداری اور عدم تعصب

## تعلیمات قرآنی اور اسوۂ حسنہ سے حاصل ہونے والی رہنمائی

ڈاکٹر حافظ حقانی میاں قادری

**TOLERANCE ENDUANCE UN-PREJUDICE IN THE LIHT OF THE TEACHIN OF THE PROPHET MUHAMMAD (PEACE BE UPON HIM)**

To develope an appreciation and understanding of tolerance and endurance, one must acquire specific qualities and belief. Belief is then incorporated with these qualities form the basis for a proper direction in the practice of tolerance. Islam and the teachings of the Prophet Muhammad (peace be upon him) teach Muslims to respect other faiths and to relate with them according to the principles set forth in the Holy Quran and in the traditions of the Prophet Muhammad (peace be upon him). The Islamic principles of tolerance, forbearance, endurance and un-prejudice are not based on personal interests or prejudices. They are based on the awareness of other beliefs, on understanding their differences, and in relating constructive with them. These principles do not implicate, in any sense, the acceptance of evil or illegitimate behavior.

Holy Quran and the traditions of the Prophet Muhammad (peace be upon him) rcommend and promote tolerance, as do the historic accounts of the successors of the Prophet Muhammad (peace be upon him) who followed the Prophet of Islm's example.

ذرائع نقل وحمل اور اطلاعات ونشریات کے وسائل کی کثرت اور ذرائع ابلاغ کی بہتات نے دنیا کو ایک عالمی گاؤں یا ایک بڑا شہر بنا کر رکھ دیا ہے، اور اس گاؤں میں بدقسمتی سے لوگوں پر اور ان کے اذہان پر اثر انداز ہونا اتنا آسان ہو گیا ہے جس قدر پہلے کبھی آسان نہیں تھا۔ یہ بھی بدقسمتی کی بات ہے کہ دنیا کے بہت سے حصوں میں یہ میڈیا مذہب اسلام کو دہشت گردی کے مذہب کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ اسلام کے بارے میں کم علمی یا عدم واقفیت کی بنا پر اور عالمی میڈیا کے اس پروپیگنڈے کے زیر اثر آکر عالمی تنظیمات جو اپنا اثر ونفوذ رکھتی ہیں وہ بھی اس منفی پروپیگنڈے کو قبول کر چکی ہیں۔

یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اس منفی پروپیگنڈے کے منفی اثرات کے باوجود کہ خدانخواستہ اسلام دہشت گردی کا مذہب ہے اور مسلمانوں میں مذہبی رواداری، تحمل اور برداشت کی کمی ہے اور پیغمبر اسلام نے اپنی تعلیمات میں مسلمانوں کو مذہبی رواداری اور اعراض کا سبق ہی نہیں سکھایا۔ (نعوذ باللہ) اسلامی تنظیموں، علما اور محققین کی جانب سے یا مسلم ذرائع نشریات وابلاغ کی جانب سے ایسی سنجیدہ اور ٹھوس کاوشیں سامنے نہیں آسکیں، جو مغربی میڈیا کے اس منفی پروپیگنڈے کا سد باب کر سکیں۔ یا اسی زور وشور اور ٹھوس انداز سے مغربی عوام کے سامنے اس حوالے سے صحیح اسلامی تعلیمات پیش کر سکیں۔

تحمل برداشت، رواداری کے اسلامی اصول کسی کی ذاتی دل چسپی، تعصب اور تنگ نظری کی بنیاد پر تشکیل نہیں دیئے گئے ہیں۔ ان کی تشکیل دوسروں کے عقائد کی اہمیت، ان کے اختلاف وتفاوت کی تفہیم اور دوسروں کے عقائد کے احترام پر کی گئی ہے، اور ان کو انسانی فطرت کے مثبت خصائص کی بنیاد پر قبول کیا گیا ہے، تاکہ اچھے اور عمدہ انسانی رویے پروان چڑھ سکیں۔

یہ مسلمہ اصول ہمہ وقت زندہ وتابندہ رہتے ہیں اور کسی نظریہ ضرورت کے تحت کسی مخصوص مدت کے لئے محذوف یا مضمر نہیں ہوتے۔ تحمل، برداشت، رواداری، عدم تعصب کے یہ مسلمہ اصول تمام بنی نوع انسان کے حقوق کی حفاظت کرتے ہیں خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم۔ اسلامی معاشرے میں رہنے والے غیر مسلم کے حقوق بھی اور ان کے حقوق کی حفاظت بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔

تحمل، رواداری، برداشت، اعراض وغیرہ یہ اصطلاح ہیں، جن کو ہم احترام، رحمت، سخاوت وفیاضی، بردباری نرم خوئی وغیرہ کی جگہ بھی رکھ سکتے ہیں۔ یہ ہمارے اخلاقی نظام کا نہایت اہم جز ہیں۔ یہ پختہ اور نظریاتی لوگوں کے لئے روحانی تربیت ومشق اور ملکوتی فضیلت کا ایک اہم ذریعہ بھی ہیں۔ (۱)

مذہب اسلام اور تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو یقینی بناتی ہیں کہ اعراض اور تحمل وبرداشت ایک عظیم انسانی خاصیت ہے جو معاشرے میں اچھے روابط وتعلقات کو بڑھاتی ہے اور لوگوں

کے درمیان آپس کے احترام اور ایک دوسرے کو سمجھنے میں مدد و معاون ثابت ہوتی ہے۔

اسلام کے مرکزی حوالے قرآن مجید اور سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی معاشرے کے لئے تحمل و بردباری اور رواداری کو نہ صرف تجویز کرتے ہیں بل کہ اس کو بڑھانے، پروان چڑھانے اور اس کی نشوونما کے لئے عملی اقدامات کرتے ہیں۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین مہدیین اور دیگر اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی اس مذہبی رواداری اور عدم تعصب کی نبوی پالیسی پر گام زن نظر آتے ہیں۔

مذہب اسلام کے یہ مأخذ و منابع صرف اس بات ہی کی سفارش نہیں کرتے کہ یہ تحمل و برداشت مسلم معاشرے کے افراد میں ایک دوسرے کے لئے ہونی چاہئے، بل کہ وہ اسلامی معاشرے میں رہنے والے ہر ہر غیر مسلم فرد کو بھی اس کی طرف راغب کرتے ہیں۔

قرآن مجید مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کا اولین حوالہ ہے۔ یہ مسلمانوں کی روزمرہ کی زندگی، اخلاق و کردار، عقائد، قوانین، اور عادات کو ترتیب دینے کے لئے ایک اہم بنیاد ہے۔ مختلف جہتوں کے ساتھ قرآن مجید مسلمانوں کو یہ سکھاتا ہے کہ مسلمان کس طرح دوسروں کے ساتھ اپنے روابط اور تعلقات کو منضبط کریں اور ان کے ساتھ کیا رویہ رکھیں۔ مختلف قرآنی آیات اس جانب ہماری رہنمائی کرتی نظر آتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں تخلیق انسانی کے تصورات بیان فرمائے ہیں۔ ایک مقام پر یوں ارشاد ربانی ہے:

يٰأَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝ (۲)

اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا فرمایا اور ہم نے تمہیں قوموں اور قبیلوں میں (تقسیم) کیا، تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بے شک اللہ کے نزدیک تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تم میں زیادہ پرہیزگار ہو، بے شک اللہ خوب جاننے والا خوب خبر رکھنے والا ہے۔

یہ آیت اس بنیادی بات پر زور دیتی ہے کہ ہم سب کا نقطۂ آغاز ایک ہے۔ ہم باہم ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔ انسانیت کے بندھن کے حوالے سے، خاندانوں، معاشروں، اقوام وملل کے تعلق سے، ہر تعلق ہمیں باہم دیگر مربوط بنا رہا ہے۔ تاہم سب سے مضبوط اور مستحکم بندھن جو ان تمام بندھنوں کو محفوظ بناتا ہے وہ ''تقویٰ'' ہے کہ جس کا دل خوف خدا سے معمور ہو۔

تقویٰ ہر قسم کا نسلی، معاشرتی، قومی، علاقائی تعصب و امتیاز ختم کر دیتا ہے اور لوگوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے اور ان کے اختلافات کا تصفیہ کرنے میں مدد دیتا ہے۔ خدائے بزرگ و برتر کی وحدانیت کا تصور اور

عقیدہ لوگوں کو اس بات کے لئے ابھارتا اور تیار کرتا ہے کہ متحد ہو کر ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا رویہ پیدا کریں، نیز انسانیت کی بہتری اور فلاح کے لئے مل جل کر کام کریں۔

اسلام کا پیغام ایک ایسے علاقے سے ظاہر ہوا، جہاں لوگوں کی واضح اکثریت شرک میں مبتلا تھی اور مختلف طور طریقے ان کی زندگیوں میں رائج تھے۔ پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور ان کو ایک خدا کے حقیقی تصور سے آگاہ کیا اور ان کو سمجھایا کہ وہ اللہ بزرگ و برتر کو ایک مان کر کس طرح اپنا معیار زندگی بلند کر سکتے ہیں۔

عدم تعصب، رواداری اور باہمی احترام کے حوالے سے گزشتہ سارے انبیا اور رسل پر ایمان لانا اسلام کے بنیادی اجزائے ترکیبی میں سے ایک ہے۔ گزشتہ انبیا علیہم السلام پر ایمان لانا اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ ایک افہام وتفہیم کی خوش گوار فضا پیدا کرنا نہ صرف بنیادی اسلامی عقیدہ ہے، بل کہ یہ مذہبی عدم تعصب اور باہمی احترام کی اعلیٰ ترین مثال بھی ہے۔ (۳) قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (۴)

(اے مسلمانو!) تم کہہ دو ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس (کتاب) پر جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر (بھی) جو ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) اور ان کی اولاد کی طرف اتاری گئی، اور اس پر (بھی) جو موسیٰ اور عیسیٰ (علیہما السلام) کو عطا کی گئیں اور (اسی طرح) جو دوسرے انبیا (علیہم السلام) کو ان کے رب کی طرف سے عطا کی گئیں، ہم ان میں سے کسی ایک میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (معبودِ واحد) کے فرماں بردار ہیں۔

اسلام اور پیغمبر اسلام کی اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیمات نہیں ہیں کہ دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ معاندانہ رویہ رکھیں، یا ان کے احترام میں کوئی کمی کریں، یا رسولوں کے درمیان کسی قسم کا امتیاز اور تعصب برتیں اور کسی کو رنگ و نسل مذہب وعقائد اور حیثیت کی بنا پر حقیر جانیں، بل کہ اسلام سب کو یکساں عزت واحترام کا مستحق قرار دیتا ہے۔ اسی بنا پر قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ○ (۵)

ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے ہیں ہم نے (تیرا حکم) سنا اور اطاعت (قبول) کی، اے ہمارے رب! ہم تیری بخشش کے طلب گار ہیں اور (ہم سب کو) تیری طرف ہی لوٹنا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید کی مختلف سورتوں کی مختلف آیات میں بڑی وضاحت کے ساتھ سمجھاتے ہوئے اور نصیحت کرتے ہوئے سیدنا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات بیان فرمائے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت واحترام رسول ہونے کے ساتھ ساتھ اولوالعزم پیغمبر کی حیثیت سے بھی بڑی ارفع ہے۔

اسی طرح حضرت سیدنا عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی معجزانہ پیدائش کے ساتھ ساتھ اپنی پیغمبرانہ شان بھی رکھتے ہیں اور مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے بھی خوب واقف ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کے کردار کو بھی قرآن بڑی شان کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ وہ کنواری تھیں اور بڑی صالحہ اور اللہ والی خاتون تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم کو دنیا کی خواتین پر فوقیت دی۔ کسی بھی مسلمان کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں ہے جب تک وہ ان تمام اعلیٰ شخصیات کو صدق دل سے نہ مانے۔ یہ عدم تعصب اور باہمی احترام کی اعلیٰ روایات ہیں۔ اور یہ روایات صرف اسلام کی خصوصیت ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَاۗءِ الْعٰلَمِيْنَ O(۶)

جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! بے شک اللہ نے تمہیں منتخب کر لیا ہے اور تمہیں پاکیزگی عطا کی ہے اور تمہیں آج سارے جہان کی عورتوں پر برگزیدہ کر دیا ہے۔

قرآن مجید عدم تعصب، رواداری اور برداشت کی عملی تصویر چاہتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو اس بات کی عملی شکل میں دیکھنا چاہتا ہے، اور اس جانب یوں توجہ دلاتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ O كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ O(۷)

اے ایمان والو! تم وہ باتیں کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو خود نہیں کرتے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ کسی بھی اسلامی ریاست میں رہنے، غیر مسلموں کے

ساتھ محبت، مہربانی، مساوات، عدل وانصاف اور عدم تعصب اور احترام کا رویہ رکھیں۔ غیر مسلموں کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ اور تعلقات سلامتی اور امن کے ہونے چاہئیں:

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْا اِلَیْھِمْ ط اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ O (۸)

اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے میں) جنگ نہیں کی، اور نہ ہی تمہیں گھروں سے نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو، اور ان سے عدل وانصاف کا برتاؤ کرو، بے شک اللہ عدل وانصاف کرنے والے کو پسند فرماتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمادیا کہ آپ مؤثر اور بہترین انداز میں بات کو ان تک پیش کردیں۔ لیکن انہیں دباؤ میں لانے کا اختیار نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

فَذَکِّرْ اِنَّمَا اَنْتَ مُذَکِّرٌ O لَسْتَ عَلَیْھِمْ بِمُصَیْطِرٍ O (۹)

پس آپ نصیحت فرماتے رہیئے آپ تو نصیحت ہی فرمانے والے ہیں۔ آپ ان پر جابر وقاہر (کے طور پر) مسلط نہیں ہیں۔

پھر دوسری جگہ ارشاد ہے:

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (۱۰)

دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔

قبیلہ بنی سالم کے لوگوں میں ایک شخص کا نام ''الحصین'' تھا اس کے دو بیٹے تھے، اور وہ دونوں عیسائی تھے۔ حصین خود مسلمان ہوگئے تھے۔ حصین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ میرے دونوں بیٹے عیسائیت کے سوا کسی کو نہیں مانتے، کیا میں ان پر زور زبردستی کرکے ان کو مسلمان کرلوں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (۱۱) ایمان لانے میں جبر اور زبردستی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔

یوں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر سے اس مرحلے پر یہ بات بھی واضح ہوجانی چاہئے کہ جنگ کی اجازت بھی دین اسلام میں صرف اور صرف ظلم، تشدد اور بربریت کے انسداد کے لئے دی گئی ہے، پیغمبر امن وآشتی، رسول رحمت، اور سلامتی کے پیام بر جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی درخشاں اور تابناک تاریخ کا ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتایا جاسکتا کہ جس میں کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرانے کے لئے جبر کیا گیا ہو۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے ایک

مرتبہ کلمہ پڑھنے والا اگر مارا بھی گیا تو محض اس شبہ اور غلط فہمی میں مارا گیا کہ کہیں یہ زبردستی کلمہ نہ پڑھ رہا ہو، اور یہ الزام بھی ہم مسلمانوں پر آ جائے کہ ہم نے جبراً مسلمان کیا اور وہ ڈر کر مسلمان ہوا۔

یہاں یہ بات بھی بڑی اہم ہے کہ اگر جبر کیا بھی گیا تو کفار اور مشرکین کی طرف سے اسلام سے روکنے پر کیا گیا۔ اسلامی تاریخ ایسے واقعات سے بھری ہوئی ہے جن میں مسلمان ہو جانے پر کفار کی جانب سے ظلم وستم کے پہاڑ توڑے گئے، اور کفر و مشرک پر جمے رہنے کے لئے لوگوں کو مجبور کیا گیا۔

اب دیکھئے حضرت عمرؓ پر قبول اسلام کے لئے کس نے تلوار اٹھائی؟ بل کہ وہ تو خود تلوار اٹھا کر چلے تھے، اور خود ہی نبی رحمت وشفقت صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتوں سے گھائل ہو گئے۔ اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ پر کس نے تلوار اٹھائی اور انہیں کس نے مجبور کیا۔ یہ دو ایک صحابہ کا معاملہ نہیں۔ ایسی ایک طویل فہرست ہے، جس سے تاریخ کا کوئی طالب علم ناواقف نہیں۔

اسلام کی اصل روح رواداری، عدم تعصب، برداشت، باہمی احترام، اور اعراض تھا اور اسلام کی اسی روحانیت وحقانیت نے اسے ساری دنیا میں پھیلا دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک عیسائی بڑھیا کو قبول اسلام کی دعوت دی تو اس بڑھیا نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ اَنَاعَجُوْزَۃٌ کَبِیْرَۃٌ وَالْمَوْتُ اِلَیَّ قَرِیْبٌ ”میں بڑھیا ہو چکی ہوں میرا آخری وقت قریب ہے، اس لئے میں اپنا مذہب تبدیل نہیں کر سکتی“، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ

قرآن مجید کے تحمل ورواداری اور عدم تعصب کے زرین اصولوں کا بے حد شکریہ۔ مسلم فاتحین نے مقامی آبادیوں اور بستیوں کو فتح کرنے کے بعد بھی کبھی بھی اپنی فتح کو قبول اسلام کا زینہ نہیں بنایا۔ مسلمان جہاں جہاں بھی پہنچے انہوں نے وہاں مقامی روایات وعلامات کو ختم کرنے یا اکھاڑنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اس کی بڑی واضح مثال یہ ہے کہ جب خلافت عثمانیہ نے مشرقی یورپ، شمالی افریقہ، مشرقِ وسطیٰ اور بعض دوسرے علاقوں سے کوچ کیا تو وہاں کی اقوام اپنے تہذیب وتمدن، زبان، مذہب وعقائد اور روایات کے ساتھ زندہ تھیں۔ (۱۲)

انسانی تعلقات میں تبادلہ خیال، اور زبان سے ادا کئے گئے الفاظ ایک اہم حیثیت رکھتے ہیں، یہ تعلقات کے بناؤ یا بگاڑ میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اچھے اور عمدہ اخلاق اور الفاظ ہمہ وقت اچھے روابط کو استوار کرنے میں تعمیری کردار کے حامل ہوتے ہیں۔ اسلام مسلمانوں پر زور دیتا ہے کہ وہ عمدہ کردار سازی کریں اور اپنی گفت گو کے دوران حقیقت پسندانہ رویہ اپنائیں، خواہ گفت گو اپنوں کے ساتھ ہو یا دوسروں کے ساتھ۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَاُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ○ (۱۳)

اور (اے مؤمنو!) اہل کتاب سے جھگڑا نہ کرو مگر ایسے طریقے سے جو بہتر ہو سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا اور (ان سے) کہہ دو کہ ہم اس (کتاب) پر ایمان لائے ہیں، جو ہماری طرف اتاری گئی ہے۔ اور جو تمہاری طرف اتاری گئی تھی۔ ہمارا معبود اور تمہارا معبود ایک ہی ہے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں۔

عمدہ اخلاق اور باہمی احترام کا ایک مسلمان سے خاص طور پر مطالبہ کیا گیا ہے کہ جب وہ اسلام کی بات کر رہا ہو۔ ایسے مواقع پر حکمت و دانائی، اور نرم خوئی کی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ○ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ لِّلصّٰبِرِیْنَ○ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ○ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ○ (۱۴)

(اے رسول معظم!) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلائیے۔ اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو، بے شک آپ کا رب اس شخص کو (بھی) خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹک گیا اور ہدایت یافتہ لوگوں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔ اور اگر تم سزا دینا چاہو تو اتنی ہی سزا دو جس قدر تکلیف تمہیں دی گئی تھی، اور اگر تم صبر کرو تو یقیناً وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور (اے حبیب مکرم) صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا اللہ ہی کے ساتھ ہے اور آپ ان (کی سرکشی) پر رنجیدہ خاطر نہ ہوا کریں اور آپ ان کی فریب کاریوں سے تنگی بھی محسوس نہ کیا کریں۔ بے شک اللہ ان لوگوں کو اپنی معیت سے نوازتا ہے، جو صاحبانِ تقویٰ اور صاحبانِ احسان ہوں۔

اسی طرح قرآن مجید اہل کتاب کو کس خوب صورت انداز میں توحید کی طرف، ایک خدائے وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کی طرف اور ساتھ ہی اللہ بزرگ و برتر کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کی طرف بلاتا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ عقیدہ اہل کتاب کے لئے نیا نہیں۔ تورات اور انجیل کی اصل تعلیمات بھی

توحیدی تعلیمات تھیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ یٰاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِكَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضاً اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○(۱۵)

آپ فرمادیں: اے اہل کتاب! تم اس بات کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یک ساں ہے (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہیں کریں گے، اور ہم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہیں بنائے گا، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ گواہ ہو جاؤ کہ ہم تو اللہ کے تابع فرماں فرمان ہیں۔

اور یہی پیغام پچھلے تمام پیغمبروں کا بھی تھا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ○(۱۶)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر ہم اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوااللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْھُمْ مَّنْ ھَدَی اللّٰہُ وَمِنْھُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْہِ الضَّلٰلَۃُ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُکَذِّبِیْنَ ○(۱۷)

اور بے شک ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگ) تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے اجتناب کرو، سو ان میں سے بعض وہ ہوئے جنہیں اللہ نے ہدایت فرمادی اور ان میں بعض وہ ہوئے جن پر گم راہی (ٹھیک) ثابت ہوئی، سو تم لوگ زمین میں سیر و سیاحت کرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا۔

ہر نبی اور رسول کی بعثت کا بنیادی مقصد لوگوں کو ایک اللہ کی طرف بلانا تھا۔ اب اگر لوگوں نے نبی کی آواز پر لبیک نہیں کہا تو یہ ان کا بڑا نقصان اور خسارہ تھا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا وَّلَمْ یُظَاھِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْھِمْ عَھْدَھُمْ اِلٰی مُدَّتِھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ○(۱۸)

سوائے ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر انہوں نے تمہارے ساتھ (اپنے عہد کو پورا کرنے میں) کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمہارے مقابلے پر کسی کی مدد (یا پشت پناہی) کی سو تم ان کے عہد کو ان کی مقررہ مدت تک ان کے ساتھ پورا کرو۔ بے شک اللہ پرہیزگاری کو پسند فرماتا ہے۔

**پھر ارشاد ہے:**

**وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ○(۱۹)**

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی بھی آپ سے پناہ کا خواست گار ہو تو اسے پناہ دے دیں تا آں کہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر آپ اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دیں، یہ اس لئے کہ وہ لوگ (حق کا) علم نہیں رکھتے۔

جیسا کہ بتایا گیا برداشت، عفو ودرگزر، رواداری، تحمل اور برداشت کسی بھی سماج میں امن اور آشتی کے اہم عناصر ہیں۔ رسول اپنے قول وفعل، کردار اور رکھ رکھاؤ سے یہ باتیں اپنے ماننے والوں کو سکھاتے سمجھاتے اور عمل کراتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

**لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ○(۲۰)**

بے شک تمہارے لئے ان میں بہترین نمونہ ہے۔ (خاص طور پر) ہر اس شخص کے لئے جو اللہ (کی بارگاہ میں حاضری) کی اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہو اور جو شخص روگردانی کرتا ہے تو بے شک اللہ بے نیاز اور لائق ہر حمد وثنا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

**لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ○(۲۱)**

فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہایت ہی حسین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لئے جو اللہ کی اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حقیقت کے بارے میں آگاہ فرمایا جو اس نے نرم خوئی اور خوش گفتار کے سلسلے میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو دی

تھیں۔ یہ بھی برداشت اور تحمل کی اعلیٰ ترین مثال ہے جو قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو دیتا ہے۔ اسلام جبر وتشدد، طوائف الملوکی اور دہشت پھیلانے والا مذہب نہیں ہے۔ چناں چہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى O فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى O (۲۲)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، بے شک وہ سرکشی میں حد سے گزر چکا ہے، سوتم دونوں اس سے نرم گفت گو کرنا، شاید وہ نصیحت قبول کر لے یا (میرے غضب سے) ڈرنے لگے۔

ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اطراف میں عفوودرگزر اور بخشش کی ٹھنڈی ہوائیں چلتی رہیں، ہم سب یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنا ماضی اور حال کو عفوودرگزر اور برداشت کا ایک ایسا خوب صورت حوالہ دیں کہ مستقبل میں آنے والی بے چینی اور تشویش ناک صورت حال خود بہ خود صاف و پاکیزہ، اور نکھری نکھری ہو جائے۔ اور ہم ایک نئے عزم واستقلال کے ساتھ مستقبل میں داخل ہو سکیں۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا ماضی نکتہ چینیوں کا سبب بن جائے یا ہمارا مستقبل ہمارے ماضی کی وجہ سے سیاہ ہو جائے۔ ہم سب محبت واحترام، امید برداشت اور عفوودرگزر کی توقع کرتے ہیں۔ عارضی نہیں مستقل بنیادوں پر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمیں قبول کیا جائے، ملایا جائے۔

ہم اسی برداشت تحمل اور عفوودرگزر کی توقع گھروں میں والدین سے کرتے ہیں۔ اسکولوں مدرسوں اور کالجوں میں اساتذہ سے کرتے ہیں۔ وہ لوگ جو تشدد کا شکار ہوئے ہیں جن پر ناجائز ظلم وستم ہوا، جو ناکردہ گناہوں کی سزا کاٹ رہے ہیں ان کے لئے انتظامیہ اور منصفین سے عفوودرگزر کی توقع کرتے ہیں۔

تاہم استحقاق کے مقابلے میں بعض اوقات توقف اپنے اندر زیادہ اہمیت رکھتا ہے، جو معاف کرنا نہیں جانتا اسے دوسرے سے معاف کرنے کی بھی توقع نہیں رکھنی چاہئے۔ اگر کوئی کسی کے ساتھ اہانت آمیز انداز میں پیش آئے تو اسے پھر عزت ملنے کی بھی امید نہیں رکھنی چاہئے۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے ساتھ محبت سے پیش آنا نہیں جانتا تو وہ دوسرے شخص سے محبت وتعلق کی توقع کیسے رکھ سکتا ہے۔ وہ لوگ جو بنی نوع انسان کو قبول کرنے، اپنی آغوش محبت میں لینے کا حوصلہ نہیں رکھتے اور عفوودرگزر تحمل کرنا نہیں جانتے یا نہیں چاہتے وہ اس بات کا استحقاق کیسے سمجھتے ہیں کہ ان کے ساتھ بھی تحمل، برداشت رواداری اور عدم تعصب کا رویہ اپنایا جائے۔

وہ شخص بڑا بدقسمت ہے جو دوسروں کو گالیاں دے کر، برا بھلا کہہ کر پھر ان سے عزت کی توقع اور امید کر بیٹھے۔ جو کسی کو گالی دے گا تو پھر کم از کم کے درجے میں اسے بھی گالی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ جو دوسروں کو ناجائز مار پیٹ کرے گا تو پھر اسے بھی پٹنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

لیکن اگر ہم قرآن کے احکام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سیرت مطہرہ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوا کہ قرآنی احکام کے مطابق نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا سینہ ایسا بحرِ عمیق تھا کہ انہوں نے گالیاں کھا کر دعائیں دیں۔ دشمنوں سے پتھر کھا کر بھی ان کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ دیکھئے قرآن مجید اس بارے میں کیا تعلیمات پیش کرتا ہے:

**وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ○ (۲۳)**

اور جب بے ہودہ کاموں کے پاس سے گزرتے ہیں تو (دامن بچاتے ہوئے) نہایت وقار اور متانت کے ساتھ گزر جاتے ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

**وَاِنْ تَعْفُوْا وَتَصْفَحُوْا وَتَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ الرَّحِيْمٌ ○ (۲۴)**

اور اگر تم صرف نظر کر لو اور درگزر کرو اور معاف کردو تو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیغمبر جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو دین کی طرف تو ضرور بلائیں، کیوں کہ یہ آپ ﷺ کے فرائض نبوت میں سے ہے۔ لیکن اگر لوگ بات نہ مانیں تو آپ غم زدہ، افسردہ یا رنجیدہ نہ ہوں۔ اور ان کفار ومشرکین کی طرف سے دل میلا نہ کریں، کیوں کہ ہدایت کے فیصلے اللہ جل شانہ کی طرف سے ہوں گے۔ دیکھئے یہ حکیمانہ بات قرآن مجید کس شان سے بیان کرتا ہے:

**فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَايُوْحٰى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ، اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ○ (۲۵)**

بھلا کیا یہ ممکن ہے کہ آپ اس میں سے کچھ چھوڑ دیں جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے۔ اور اس سے آپ کا سینہ تنگ ہونے لگے کہ کفار یہ کہتے ہیں کہ اس (رسول) پر کوئی خزانہ کیوں نہ اتارا گیا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا۔ (ایسا ہرگز ممکن نہیں) آپ تو صرف ڈر سنانے والے ہیں اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

**اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ○ (۲۶)**

اور حقیقت یہ ہے کہ جسے آپ (ہدایت پر لانا) چاہتے ہیں اسے صاحب ہدایت آپ خود نہیں بناتے، بل کہ (یوں ہوتا ہے کہ) جسے اللہ چاہتا ہے صاحب ہدایت بنا دیتا ہے۔ اور وہ راہِ ہدایت کی پہچان رکھنے والوں سے خوب واقف ہے۔

پھر ارشاد ہے:

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (۲۷)

اور اللہ سلامتی کے گھر (جنت) کی طرف بلاتا ہے، اور جسے چاہتا ہے سیدھے راہ کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

قرآن مجید ہمیشہ عفوودرگزر اور تحمل ورواداری کے، اور مزاج کو قبول کرتا ہے اور اسی کی تعلیمات پیش کرتا ہے اور ایسے رویے اختیار کرنے والوں کو ''عباد الرحمٰن'' کہتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ○ (۲۸)

اور (خدائے) رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آہستگی سے چلتے ہیں، اور جب ان سے جاہل لوگ (ناپسندیدہ) بات کرتے ہیں تو وہ سلام کہتے (ہوئے الگ ہو جاتے) ہیں۔

پھر قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِى الْجَاهِلِيْنَ ○ (۲۹)

اور جب وہ کوئی بے ہودہ بات سنتے ہیں تو اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے لئے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لئے تمہارے اعمال، ہم جاہلوں (کے فکر وعمل) کو (اپنانا) نہیں چاہتے۔ (گویا ان کی برائی کے عوض ہم اپنی اچھائی کیوں چھوڑیں)

اسی طرح افراد اور اقوام کی زندگی میں تحمل برداشت، عفوودرگزر اور رواداری کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ عفوودرگزر اللہ تعالیٰ کی بڑی صفت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو دنیا ایک لمحے کے لئے بھی آباد نہ رہ سکے اور گناہوں اور گناہ گاروں سے بھری یہ دنیا پل بھر میں ملیامیٹ ہو جائے۔ اللہ کے ناموں میں عَفُوٌّ درگزر کرنے والا، غافر، غفور، غفار، مغفرت فرمانے والا ہیں۔ اس کی اس شان کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے:

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ (۳۰)

گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے مزین صحابہ کرام مشکل ترین وقت میں بھی تحمل رواداری، اور برداشت سے مزین نظر آتے ہیں۔

حضرت مسطح رضی اللہ عنہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریبی رشتہ دار تھے۔ مفلس اور غریب بھی تھے، جس کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نہ صرف ان کی بل کہ ان کے پورے گھرانے کی کفالت فرماتے تھے۔ لیکن حضرت حسان اور حضرت حمنہ کی طرح یہ بھی اپنی سادہ لوحی میں افک کے فتنے میں بہہ گئے تھے۔ جب یہ بھی تہمت لگانے والوں میں شامل ہو گئے تو سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان سے رنج پہنچنا ایک فطری امر تھا کہ حضرت مسطح بن اثاثہ نے بھلائی کا بدلہ برائی سے دیا تھا۔ اس فطری رنج وملال کی بنا پر حضرت ابوبکرؓ نے ان کی مالی امداد سے اپنا ہاتھ کھینچ لینے کا ارادہ کر لیا تھا، بل کہ قسم اس پر بھی کھا بیٹھے تھے۔ اس واقعے پر اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تنبیہ فرماتے ہوئے یہ آیت نازل فرمادی۔ (۳۱)

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (۳۲)

اور تم میں سے جو بزرگی اور وسعت والے ہیں انہیں اپنے قرابت داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہ کرنے کی قسم نہیں کھانی چاہئے، بل کہ معاف کرنا اور درگزر کرنا چاہئے، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بَلٰی وَاللّٰهِ اِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یَغْفِرَ اللّٰه ہاں خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ اللہ میری بخشش فرمادے۔

اس لئے حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ میرے والد نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مدد وتعاون جاری کر دیا، بل کہ پہلے سے زیادہ احسان کرنے لگے۔

اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایسی قسم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ بعض دیگر صحابہ نے بھی کھائی تھی کہ وہ الزام تراشی کرنے والوں کی کوئی مدد نہ کریں گے،

انہوں نے بھی بعد میں اپنی قسم سے رجوع کرلیا۔(۴۳)

اس بڑے واقعے سے بھی تحمل اور رواداری و برداشت کا سبق ملتا ہے، اور اسلام کے مقاصد اور مطلوب بلند ترین اخلاق کا علم ہوتا ہے، کیوں کہ اس حوالے سے تنبیہ بہ راہ راست قرآن حکیم میں نازل ہوئی تھی۔ عفوو درگزر کی ضرورت واہمیت کو سمجھنے کے لئے اس بات کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہے۔

اب آیئے ایک اور بڑے واقعے کی طرف۔ رواداری، انصاف پروری، کشادہ دلی اور دور اندیشی کی ایسی مثال دنیا پیش کرنے سے عاجز وقاصر ہے۔

مسلمان اور عیسائی مل کر دنیا کی نصف آبادی کی تشکیل کرتے ہیں، اگر یہ دونوں برادریاں آپس میں ایک دوسرے کو سمجھ لیں اور بقائے باہمی کی بنیاد پر ایک دوسرے کو برداشت کرلیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا نے امن وآشتی کا نصف سفر طے کرلیا ہے۔ اس سفر کی طرف پہلا قدم اس طرح اٹھایا جاسکتا ہے کہ دونوں برادریاں ایک دوسرے کو مطعون کرنے کے بہ جائے ایک دوسرے کے بارے میں مثبت اور عدم تعصب پر مبنی رویہ اختیار کریں، اور ماضی کی مثبت اور خوش گوار حقیقتوں کو یاد کریں۔

مسلمانوں اور عیسائیوں کو وہ وعدہ یاد کرنا چاہئے، جو رحمت للعالمین نبی برحق، انسان کامل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مقدسہ کے دوران اپنے عہد کے عیسائیوں کے ساتھ کیا تھا۔ اس وعدے کا علم عیسائیوں کے ساتھ مسلمانوں کے طرز عمل پر بھی نمایاں طور پر اثر انداز ہوسکتا ہے۔ مسلمان تو یوں بھی اپنی زندگیوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی واتباع کو اپنے لئے باعث برکت وسعادت سمجھتے ہیں، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات کو اپنے لئے باعث نجات سمجھتے ہیں، اور مسلمان سنت رسول اور اسوہ حسنہ کی پیروی کو اپنی زندگی کا کمال حاصل اور مقصد حیات سمجھتے ہیں۔

۶۲۸ عیسوی میں سینٹ کیتھرین کے راہبوں اور پادریوں کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امن وسلامتی کی ضمانت طلب کی۔ رسول رحمت نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں انہیں ایک تحریری سند پیش کی، جسے ذیل میں من وعن پیش کیا جارہا ہے۔ سینٹ کیتھرین کی خانقاہ موجودہ مصر کے جبل سنائی کے قدموں میں واقع ہے اور دنیا کی قدیم ترین عیسائی خانقاہ ہے۔ اس میں عیسائی مذہبی مخطوطات کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے جو شاید ویٹی کن کے ذخیرے کے بعد دوسرا بڑا ذخیرہ ہے۔ اس کے علاوہ سینٹ کیتھرین دنیا بھر کے عیسائیوں کے لئے ایک مقدس زیارت گاہ کی حیثیت بھی رکھتی ہے، جس کی مسلمان چودہ سو سال سے حفاظت کرکے مذہبی رواداری اور اپنی ذمے داری کا ثبوت دے رہے ہیں۔ سینٹ کیتھرین کے راہبوں کو دی جانے والی تحریری سند یہ ہے:

یہ پیغام ہے محمد بن عبداللہ کی طرف سے جو ایک عہد نامے کی حیثیت رکھتا ہے، ان کے لئے جنہوں نے نزدیک دور سے عیسائیت کو بہ طور دین اختیار کیا ہے کہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور درحقیقت میرے خدا، میرے معاونین، میرے صحابہ اور میرے متبعین ان کا دفاع کریں گے، کیوں کہ عیسائی ہمارے شہری (رعایا) ہیں، واللہ مجھے ہر وہ چیز ناپسند ہے جو انہیں ناخوش کرے، ان پر کوئی جبر نہ ہو، نہ ان کے قضاۃ اپنے عہدوں سے ہٹائے جائیں۔ اور نہ ان کے راہبوں کو ان کی عبادت گاہوں سے ہٹایا جائے۔ کوئی بھی شخص ان کی عبادت گاہوں کو تباہ نہ کرے، نہ انہیں نقصان پہنچائے نہ ان کی عبادت گاہوں سے کوئی چیز اٹھا کر اپنے گھر لے جائے، جو ایسا کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسول سے کئے ہوئے عہد کی نافرمانی کرے گا۔ درحقیقت وہ میرے اتحادی ہیں اور جن باتوں سے وہ نفرت کرتے ہیں ان کی بابت بھی میں انہیں یہ عہد دیتا ہوں انہیں کوئی نہ ہجرت پر مجبور کرے گا نہ جنگ کرنے پر، مسلمان ان کی حفاظت کے لئے جنگ کریں گے، اگر کوئی عیسائی عورت مسلمان سے عقد کرنا چاہے تو یہ عقد اس عورت کی مرضی اور مکمل رضامندی کے بغیر نہیں ہوسکتا، ایسی عورت کو عبادت کے لئے کلیسا جانے سے نہیں روکا جائے گا۔ کلیسا کی تعظیم لازمی ہے۔ انہیں نہ ان کی مرمت سے روکا جائے گا اور نہ ان کے تقدس کو پامال کیا جائے گا۔ امت کا کوئی فرد تا قیامت اس عہد کی نافرمانی نہیں کرے گا۔

اس تحریر کا آخری جملہ انتہائی اہم ہے۔ اس جملے نے اس عہد نامے کو کائناتی اور ابدی حیثیت عطا کردی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات پر زور دیا ہے کہ نزدیک اور دور کے عیسائی ان کے اتحادی ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ تحریری سند صرف سینٹ کیتھرین تک محدود نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مستقبل میں بھی ان رعایات کو رد کئے جانے کی کسی کوشش کو بھی خارج از امکان قرار دیا ہے۔ عیسائیوں کے یہ حقوق جزو لاینفک اور ابدی حیثیت رکھتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام عیسائیوں کو اپنا اتحادی مانا ہے اور ان کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی کو اللہ نافرمانی سے تعبیر کیا ہے۔ اس تحریری سند کی نادر ترین خصوصیت یہ ہے کہ اللہ کے رسول نے ان رعایات کے عوض عیسائیوں پر کوئی شرط عائد نہیں کی ہے، ان رعایات کے لئے صرف ان کا عیسائی ہونا کافی سمجھا گیا ہے۔ ان سے ان کے اعتقادات میں کسی رد و بدل کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ ان سے ان رعاتیوں کے عوض کوئی چیز طلب نہیں کی گئی، ان پر اضافی فرائض بھی عائد نہیں کئے گئے۔ یہ ان کے حقوق کے

لئے ایک ایسا عہد نامہ ہے جس کے ساتھ کسی نوعیت کے بھی فرائض منسلک نہیں تھے۔

یہ سند آج کے عہد کا کوئی چارٹر نہیں ہے کہ اقوام متحدہ نے پاس کیا ہو، یا حقوق انسانی کی کسی تنظیم نے لکھا ہو، یا بین المذاہب رواداری کے لئے سرگرم وسرگرداں راہ نماؤں نے اسے مرتب کیا ہو، بل کہ یہ ۶۲۸ عیسوی میں لکھی جانے والی ایک تحریر ہے۔ جو واضح طور پر حق جائیداد، مذہبی آزادی ورواداری، کاروبار کرنے کی آزادی، اور ہر شہری کی حفاظت کی عظیم ترین ضمانت ہے۔

اس سند کو پڑھنے والا ہر شخص یہ پوچھے گا کہ ہم کو پھر کیا کرنا چاہئے۔ جواب بہت سادہ اور آسان ہے، وہ لوگ جو مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان خاص طور پر منافرت پیدا کرتے ہیں، تنازعات وتفرقات کو ہوا دیتے ہیں، رواداری اور تحمل وبرداشت کو ہوا میں اڑاتے ہیں، چاہے وہ کوئی بھی ہوں، انہیں دیکھنا ہوگا کہ ساری کائنات کے لئے رحمت بن کر تشریف لانے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کے لئے کیا طرز عمل اختیار فرمایا تھا؟ یہ حقیقت ہے کہ جب ان وعدوں کو پورا کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ انسانیت کی بنیاد پر مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین روابط کے پل تعمیر ہو رہے ہیں۔

یہ تحریری سند مسلمانوں کو فرقہ وارانہ تعصب اور عدم رواداری سے اوپر اٹھنے کی تحریک عطا کرتی ہے، اور ان عیسائیوں کو بھی راہ راست دکھاتی ہے، جن کے دلوں میں مسلمانوں کے خلاف بغض وعداوت کا جذبہ موج زن ہے۔ اس عہد نامے پر نظر ڈالنے سے یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ رواداری اور تعاون ومحبت کی فضا قائم کرتا ہے۔ آپس میں بھی اور دوسروں کے ساتھ بھی۔ یہ دستاویز مجھ سے ایک بہتر انسان اور عمدہ مسلمان ہونے کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور یہ یقین ہو جاتا ہے کہ نیکی اور اچھائی ہماری سرشت میں پوشیدہ ہے۔ لیکن جب ہم اپنوں اور دوسروں کے ساتھ رواداری، تحمل اور برداشت کی مثالوں کو نظر انداز کرتے ہیں تو بلاشبہ ہم اپنے اندر موجود انسانیت وآدمیت کی نفی کرتے ہیں۔

معروف محقق اور عالم ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے درست لکھا ہے:

> قرآن مجید میں یہ عجیب وغریب اصول ملتا ہے کہ ہر مذہبی کیمونٹی کو داخلی خودمختاری دی جائے، حتیٰ کہ نہ صرف عقائد کی آزادی ہو اور وہ اپنی عبادت اپنے طرز پر کر سکیں بل کہ اپنے ہی قانون اپنے ہی ججوں کے ذریعے سے مقدمات کا فیصلہ بھی کروائیں، عہد نبوی میں قومی خودمختاری ساری آبادی کے ہر ہر گروہ کو مل گئی تھی جس طرح مسلمان اپنے دین عبادات، قانونی معاملات، اور دیگر امور میں مکمل طور پر آزاد تھے، اسی طرح دوسری ملت کے لوگوں کو بھی کامل آزادی تھی۔ (۳۴)

تحمل، برداشت رواداری، عدم تعصب، عفو ودرگزر کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عفو درگزر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بھی بہت بڑی صفت ہے۔ اگر یہ نہ ہوتو دنیا ایک لمحے کے لئے بھی آباد نہ رہے اور گناہوں اور گناہ گاروں سے بھری اورأٹی یہ دنیا آنِ واحد میں سونی پڑ جائے۔

مسلم دنیا کی قدیم ترین یونی ورسٹی جامعۃ الازہر مصر کے سابق شیخ عبدالحلیم محمود اپنے ایک اصلاحی مضمون میں نیک بندوں کے درجات کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ برائی کا بدلہ برائی سے دینا عدل ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ برائی کا بدلہ برائی ہے۔ لیکن قرآن کریم اسے عدل کہنے کے باوجود اخلاق کریمانہ کا ایک اور درجہ بیان کرتا ہے۔ اور وہ درجہ کظم الغیظ کا ہے، یعنی ایک شخص کا وہ کردار جس میں برائی کا بدلہ برائی سے دینے کی قدرت رکھنے کے باوجود وہ اپنے غصے کو پی جاتا ہے، وہ شخص اخلاق کریمانہ کی میزان میں اس شخص سے بلند درجے کا حامل ہے جو برائی کا بدلہ برائی سے دیتا ہے۔

قرآن کریم اسی پر اکتفانہیں کرتا بل کہ اخلاق عالیہ کا تیسرا درجہ بھی بیان کرتا ہے۔ اور وہ درجہ برائی کا بدلہ برائی سے دینے اور غصے کو پی جانے سے تجاوز کر کے عفو درگزر تک پہنچ جاتا ہے اور بدلہ لینے کی قدرت پر برائی کا بدلہ برائی سے دینے اور غصے کو پی جانے سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ قرآن کریم اس سے بھی آگے ایک اور بلند ترین درجے کا ذکر کرتا ہے، جو احسان کا درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَO (۳۵)

اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے۔

یہاں احسان سے مراد ایسی بھلائی ہے جو مجرم کو مکمل معافی دینے کے بعد اس کے ساتھ حسن سلوک کے طور پر کی جاتی ہے، جس کا وہ نہ تو حق دار ہے، اور نہ ہی وہ اس کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس کے لئے جرم ثابت ہوجانے کے باوجود معافی مل جانا ہی بہت بڑی نعمت ہے۔

دوسروں پر احسان کرنے سے ظلم کی یاد ختم ہوجاتی ہے۔ صرف اس قدر عمل سے ظلم ختم ہوجائے گا۔ اور جس معاشرے میں مظلوم اور محروم نہ ہوں وہی معاشرہ فلاحی معاشرہ ہے۔ ہم ایک عظیم قوم بن سکتے ہیں اگر ہم تحمل وبرداشت اور احسان وسلوک کو اپنالیں۔ اگر ہم آپس کے ٹوٹے ہوئے رشتوں کو از سرِ نو جوڑ کر سب کو تحمل وبرداشت، محبت واخوت کی ایک لڑی میں پرودیں تو یہ کام وقت کی ایک اہم ضرورت ہوگا، بل کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بھی سب سے بڑا ذریعہ۔ یہی وہ واحد راستہ ہے کہ جس پر چل کر قوم کے منتشر افراد کو اخوت ومحبت کی لڑی میں پرو کر ایک قوم بنایا جاسکتا ہے۔

دو باہم متحارب اور دست وگریباں گروہوں کی جانب سے اپنے اپنے مطالبات اور مؤقف پر اڑے رہنے کے بہ جائے اگر اپنے کچھ مطالبات سے دست بردار ہوکر کسی درمیانی صورت پر رضامندی کے ساتھ فریق مخالف سے مصالحت کرلی جائے تو اسی میں فریقین کے لئے بہتری بھی ہوتی ہے اور یہ عمل حق تعالیٰ شانہ کی خوش نودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ یہ عمل بھی تحمل و برداشت کے ذریعے ہی تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔

اس مضمون پر گفت گو کرتے ہوئے اس موضوع پر ایک اور طرح سے نظر ڈالتے ہیں۔ ہم یہاں دیکھتے ہیں کہ اسلام کس کس طریقے سے مصالحت کے راستے کھولتا ہے۔ خلیفہ دوم سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے قضاۃ کے لئے یہ فرمان جاری کیا تھا۔ رشتے داروں کے مقدمات کو ان ہی میں واپس لوٹا دیا کرو، تاکہ وہ خود آپس میں برادری کی مدد سے آپس میں صلح کی صورت نکال لیں۔ فقہا نے لکھا ہے کہ اگرچہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرمان میں یہ حکم رشتے داروں کے باہمی جھگڑوں سے متعلق ہے، مگر اس میں یہ حکمت مضمر ہے کہ بسا اوقات عدالتی فیصلے باہمی کدورت اور عداوت پیدا کردیا کرتے ہیں، یہ حکمت رشتے داروں اور غیر رشتے داروں میں عام ہے، اور باہمی کدورت اور عداوت سے مسلمانوں کو بچانا لازم ہے۔ اس لئے حکام اور قضاۃ کے لئے مناسب یہ ہے کہ مقدمات کی سماعت سے پہلے اس کی کوشش کرلیا کریں کہ کسی صورت سے فریقین کی آپس میں رضامندی کے ساتھ مصالحت ہوجائے۔

سعودی عرب میں قاضی کی عدالت میں مقدمے کی باقاعدہ سماعت شروع ہونے سے قبل سرکاری سطح پر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ کسی طرح فریقین میں مصالحت ہوجائے، اور معاملہ طول پکڑنے کے بہ جائے اسی مرحلے پر ختم ہوجائے، اسلام کا اصل مقصد اصلاح بین الناس ہے، لہٰذا یہ مقصد اگر مجرم کو کسی صورت میں معافی دے کر حاصل کیا جاسکتا ہے تو اسلام کا یہی راستہ اصلاح بین الناس، صلح وآشتی، تحمل و برداشت، رواداری عدم تعصب کا راستہ ہے، اور یہی صراط مستقیم ہے۔

## حوالہ جات

1. Kaynak, Izmir, the thoughtsof growing to yield fruit, p.19,1996

۲۔ الحجرات:۱۳

3. khouj, abdullah M.religious tolerance in Islam, p.5.1992

۴۔ البقرۃ:۱۳۶

۵۔ البقرۃ:۲۸۹

۶۔ آل عمران:۴۲

۷۔ الصف:۲،۳

۸۔ الممتحنۃ: ۸

۹۔ الغاشیۃ: ۲۱، ۲۲

۱۰۔ البقرۃ: ۲۵۶

۱۱۔ دکتور وہبۃ الزحیلی۔ التفسیر المنیر: ج ۲، جز ۳، ص ۲۲

12. Terror and suicide attacks. edited by ergun Capan, p.17,18.2006

۱۳۔ العنکبوت: ۴۶

۱۴۔ النحل: ۱۲۵، ۱۲۸

۱۵۔ آل عمران: ۶۴

۱۶۔ الانبیا: ۲۵

۱۷۔ النحل: ۳۶

۱۸۔ التوبہ: ۴

۱۹۔ التوبہ: ۶

۲۰۔ الممتحنۃ: ۶

۲۱۔ الاحزاب: ۲۱

۲۲۔ طٰہٰ: ۴۳، ۴۴

۲۳۔ الفرقان: ۷۲

۲۴۔ التغابن: ۱۴

۲۵۔ ھود: ۱۲

۲۶۔ القصص: ۵۶

۲۷۔ یونس: ۲۵

۲۸۔ الفرقان: ۶۳

۲۹۔ القصص: ۵۵

۳۰۔ المومن: ۳

۳۱۔ ابن عادل الدمشقی الحنبلی، ابوحفص عمر بن علی۔ اللباب فی علوم الکتاب: ج ۱۴، ص ۳۳۵

۳۲۔ النور: ۲۲

۳۳۔ وہبۃ الزحیلی: ج ۹، جز ۱۸، ص ۵۱۳

۳۴۔ ڈاکٹر حمید اللہ۔ خطبات بہاول پور: ص ۴۱۸

۳۵۔ آل عمران: ۱۳۴